جہیز اور شادی کی رسومات

جہیز ہمارے معاشرے کا ایک ایسا مسئلہ ہے جو ہماری جڑوں میں بیٹھ چکا ہے۔ کوئی غریب ہو یا امیر اس مسئلے کا ہر کوئی شکار نظر آتا ہے۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ حقیقت یہ ہے کہ لوگ اِسے عینِ اسلامی رسم سمجھتے ہیں جبکہ صورتِ حال اس کے برعکس ہے۔ یہ ایک ایسی رسم ہے جو کہ نہ صرف غیر مہذب ہے بلکہ جہالت اور اسلام سے روگردانی کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے۔ قرآن اور حدیث سے کم علمی کی وجہ سے لوگ ایسی زندگی گزار رہے ہیں جو نہ صرف کھوکھلی روایات پر مبنی ہے۔ بلکہ ہمیں مسلسل دین سے دور لے جا رہی ہے۔ جہیز اور شادی کی رسومات ایسے مسائل ہیں جن کا ہمارے معاشی اور معاشرتی حالات پر سب سے گہرا اثر ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ایک ایسا مسئلہ بھی ہے جو کوئی بھی ذاتی طور پر نہ تسلیم کرنا چاہتا ہے اور نہ ہی جاننا چاہتا ہے کہ اس کا حل کیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں جہیز اور شادی کی رسومات غلط ہیں لیکن پھر بھی سب اس پر قائم رہنا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ لوگ اِس معاملے پر بحث ہی نہیں کرنا چاہتے۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ وہ غلط ہیں لیکن بحث و مباحثہ سے ان کی کمزوری ظاہر ہو جائے گی۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ جہیز اور شادی کی رسومات کا براہِ راست تعلق دولت کی فراوانی سے ہے۔ لہٰذا امیر طبقہ تو یہ سب اس لئے کرتا ہے کہ وہ یہ سب کرنے کی استطاعت رکھتا ہے اور باقی سب ان کی نقل میں اپنے آپ کو اونچا ثابت کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں آج تک کوئی مثبت کام اس لئے نہیں کیا جا سکا کیونکہ کسی بھی معاشرے میں رسومات اور روایات پر اونچے طبقے کا کنٹرول ہوتا ہے۔ غریب بیچارہ اگر اس طرح کی بات کرے یا عمل کر کے بھی دکھائے اُسے تو غریب ہونے کا طعنہ دے کر رد کر دیا جاتا ہے یا پھر یوں کہہ لیں کہ ایک ایسے معاشرے میں جہاں انسان کا رتبہ اُس کے گھر، گاڑی اور دولت سے متعین کیا جاتا ہو وہاں کوئی غریب کیا زبان کھولے گا؟ ہم ایک ایسی قوم ہیں جس میں ۸۰ فیصد سے زیادہ لوگ غریب ہیں اور ان کی زندگی کا واحد مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح وہ غریب نہ سمجھے جائیں۔ یہاں تک کہ باقی ماندہ ۲۰ فیصد بھی ہر لمحہ ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں صرف دولت کے حصول کو ہی مدِ نظر رکھتے ہیں۔

ہم معاشرتی اور سماجی روایات کے ایسے خول میں قید ہیں جن سے باہر نکلنا ناممکن نظر آتا ہے۔ باقی تمام غلط عادات و روایات جو ہمیں ہندوازم سے ورثے میں ملی ہیں ایک محدود حد تک ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہوتی ہیں مثلاً مشترکہ خاندانی نظام کی مثال لے لیں۔ اس طرزِ زندگی میں اس خاندان میں رہنے والے ہی زیادہ تر اس کے منفی اثرات سے متاثر ہوتے ہیں جبکہ جہیز اور شادی کا غلط طریقہ کار ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے صرف ایک یا دو خاندان نہیں بلکہ آس پاس کے لوگ، دور اور نزدیک کے رشتے دار، دوست، جاننے والے اور نہ جاننے والے سبھی متاثر ہوتے ہیں۔

اس مسئلے کے حل کے لئے آیئے سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کیونکر ممکن ہوا اور یہ کہ کیوں لوگوں نے جہیز اور شادی کی رسومات اور روایات کو اسلام اور سنتِ نبوی کا حصہ بنا دیا ہے۔ بہت سے اور معاشرتی معاملات کی طرح یہ بھی صرف ہماری رسم و روایات ہیں جن کا تعلق سراسر ہماری تاریخ، ہمارے ملک کے سابقہ حالات اور گردونواح کے اثرات سے ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی بھی رسم کو قائم رکھنے اور جائز قرار دینے کے لئے مذہب کا سہارا لیا جاتا ہے کیونکہ ہمارے ہاں لوگ مہذب ہونے کے معاملے میں بڑے حساس ہوتے ہیں۔ علم کی کمی کی وجہ سے بیشتر لوگ ایسے لوگوں پر ضرورت سے زیادہ انحصار کرتے ہیں جو تھوڑا بہت جانتے تو ہیں لیکن دوسروں کو بتاتے وہی ہیں جو ان کے دل کو بھائے۔ عام زندگی میں جب بھی کوئی مشکل پیش آتی ہے چاہے وہ بچوں کی پڑھائی کا معاملہ ہو یا بزنس میں اونچ نیچ کا تو یہ لوگ فوراً کسی پیر فقیر کے پاس بھاگتے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ پریشانی کی حالت میں ہر انسان ایسی کیفیت کا شکار ہوتا ہے کہ اُسی وقت جو بھی حل نظر آئے وہ اُسے رد نہیں کرنا چاہتا۔ یہی آزمائش کا مقام ہوتا ہے کیونکہ ایسے موقع پر لوگ exploit ہو سکتے ہیں۔ ہمارا یہی رویہ ہماری پوری زندگیوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ شادی کے موقع پر بھی لوگ بُری طرح exploit کئے جاتے ہیں کیونکہ معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں رشتہ ڈھونڈنے تک تو رویہ بڑا نرم اور ڈھیلا رکھا جاتا ہے جیسے ہی رشتہ ہو جاتا ہے صورتِ حال بالکل بدل جاتی ہے۔ کیونکہ سب جانتے ہیں کہ ایک دفعہ رشتہ ہو جانے کے بعد لوگ (خاص طور پر لڑکی والے) پابند ہو جاتے ہیں۔ بدترین صورتِ حال میں بھی یعنی اگر لڑکے کے کردار کے بارے میں خبر ملے کہ خراب ہے یا پھر اس کے کاروبار یا نوکری کے سلسلے میں بتائے گئے حقائق میں دھوکہ دہی کا ڈر ہو تب بھی لڑکی کو رشتہ قائم رکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے، اُس کی بڑی ٹھوس وجہ ہے۔ ایک بار رشتہ ٹوٹنے کے بعد نہ صرف یہ کہ اُس لڑکی کے لئے دوبارہ رشتہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ اس کے خاندان کی باقی لڑکیوں کے لئے بھی رشتے تلاش کرنا انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔ اِن ساری قباحتوں سے بچنے کے لئے بڑے آرام سے لڑکی کی بلی چڑھا دی جاتی ہے۔ اندازہ لگائیں اگر ایک لڑکی منگنی یا رشتہ طے ہونے کے بعد یہ جان جائے کہ یہ شادی اس کے لئے کتنی نقصان دہ ثابت ہوگی اور وہ اس معاملے میں کچھ نہ کر سکے تو اس کا یقیناً اس کی شادی شدہ زندگی پر انتہائی بُرا اثر پڑے گا۔

فرض کریں کہ اگر شادی لڑکے، لڑکی کی مرضی سے ہو رہی ہے، جہیز بھی کوئی قابلِ ذکر مسئلہ نہ بنے تو بھی جس طریقے سے شادی کی جاتی ہے یہ تو بحرحال ہم سب کا مسئلہ ہے۔ لوگ جو کچھ اپنے گھروں اور خاندانوں کے اندر کرتے ہیں اس کے نتائج بھی لوگ بالکل ذاتی طور پر بھگتتے ہیں۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا برا اثر ہماری معاشرتی حالت یا معاشی خوشحالی پر نہیں پڑتا لیکن ہمارے ہاں شادی کرنے کا جو طریقہ اپنایا جا رہا ہے وہ ہماری معاشرتی اور سماجی تباہی کا صحیح عکس پیش کرتا ہے۔ یہ ہمارے معاشی حالات کی تباہی کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوئی ہے۔ غرض یہ کہ ہمارے ہاں رشتہ طے ہونے سے لے کر شادی ہو جانے تک سارے معاملات بے شمار غلط فہمیوں اور بے جا رسومات پر مشتمل ہیں۔ اسلام تو ہر لحاظ سے جدید ترین طرزِ زندگی پیش کرتا ہی ہے اور کوئی دوسرا مذہب بھی انسان کو غلط راہوں پر ڈالنے کا مجاز نہیں ہو سکتا۔ یہ سب انسانوں کا اپنا کیا دھرا ہے لیکن ذمہ داری سے بچنے کے لئے مذہب کا سہارا لینا انسان کی فطرت ہے۔

آیئے ان غلط روایات کا یکے بعد دیگرے جائزہ لیتے ہیں اور جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر ہم معاشرے کے فرسودہ طریقہ کار کو بدلنا چاہیں تو کیا ہم مغرب زدہ ہو جائیں گے یا یہ مان لیں کہ کسی بھی کام کو کرنے کا بہترین طریقہ وہی ہے جو اس دنیا کو بنانے والے نے پسند کیا۔ چاہے یہ طریقہ مغرب کا ہو یا مشرق کا۔ ہمارا تعلق سب سے پہلے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے بنائے ہوئے طریقوں سے ہونا چاہیے۔ اس کے بعد ہمیں چاہے کوئی مغرب زدہ کہے یا پھر مشرق زدہ۔

اسلام کی ڈکشنری میں جہیز کا لفظ سرے سے ہے ہی نہیں۔ جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ جہیز کو نبی پاک ﷺ کی سنت سمجھا جاتا ہے۔ ریسرچ سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ ہمارے بزرگوں کو خود معلوم نہیں کہ نبی پاک ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو جہیز دیا تھا۔ ۹۹.۹ فیصد لوگ یہی بتاتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو ایک چٹائی، پانی کا مشکیزہ اور گھر کے استعمال کی چند چیزیں دیں اور یہی جہیز تھا۔ اُس وقت ضروریات چونکہ محدود و نوعیت کی تھیں اس لئے جہیز بھی محدود تھا۔ اب وقت بدل چکا ہے، ضروریات بہت بڑھ چکی ہیں اس لئے جہیز بھی اِن چیزوں سے بڑھ کر گاڑیوں، کوٹھیوں اور فیکٹریوں تک پہنچ چکا ہے۔ سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ نبی پاک ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو جہیز نہیں دیا تھا۔ جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی تو نبی پاک ﷺ نے پوچھا

کہ تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری زندگی کا لحہ لحہ تو آپ ﷺ کی نگرانی میں گزرا ہے' آپ ﷺ حقیقت حال جانتے ہی ہیں' میرے پاس تو کچھ نہیں۔ فرمایا: تمہارے پاس ایک ذرہ تھی وہ کہاں گئی؟ عرض کیا وہ میرے پاس موجود ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

" وہ ذرہ فاطمہؓ کا مہر ہوگی۔ "

حضرت علی المرتضیٰؓ نے ذرہ دے کر اپنے غلام کو بازار بھیجا' اس نے چار سو درہم میں اسے فروخت کیا۔ یہ چار سو درہم رسولِ اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اس رقم میں سے استعمال کے لئے خوشبو اور گھریلو ضروریات کی اشیاء خرید لاؤ۔"

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کرنے کے لئے نبی پاک ﷺ کو کچھ عملاً کرنے کے لئے کہا گیا اور ذرائع مہیا نہ کئے گئے ہوں۔ آسان زبان میں اس کو اس طرح سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی انسان سے کروانا چاہا اُس کے لئے انسان کو قوت اور استطاعت بھی دی ہے۔ اگر جہیز دینا اسلام کا حصہ ہوتا تو نبی پاک ﷺ نے یقیناً اپنی مالی حالت کے مطابق ضرور کچھ دیا ہوتا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ نبی پاک ﷺ ایسی رسم کی بنیاد کیسے ڈال سکتے تھے جس نے آگے جا کر زندگیاں تباہ کرنی تھیں کیونکہ اس رسم کی بنیاد ہی وہ فرسودہ سوچ ہے جسے ختم کرنے کے لئے قرآن نازل ہوا۔ صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے مختلف لوگوں نے کئی غلط رسومات کو اپنا لیا ہے۔ (کئی ملکوں میں عرب اور اس کے گردونواح) مثلاً ہمارے ہاں پٹھان قوم میں شادی کے وقت لڑکی کے ماں باپ کو رقم دی جاتی ہے جو کہ جہیز کے برعکس جہالت کی دوسری انتہا ہے۔ کیونکہ اسلام نے لڑکی کا حق مہر ضروری قرار دیا ہے جو کہ لڑکی کا حق ہوتا ہے نہ کہ اس کے ولی کا۔ غلط رنگ دینے سے یہ رسم لڑکیوں کی خرید و فروخت بن کر رہ گئی ہے کہ ماں باپ پال پوس کر لڑکی کو دوسروں کے حوالے کرتے ہیں تو اس کے عوض معاوضہ ملتا ہے۔ یہ سراسر غلط طریقہ کار ہے۔

یہ تو طے ہے کہ جہیز کا تعلق اسلام سے ہرگز نہیں ہے۔ ہمارے دین کے مطابق عورت کو مالی ذمہ داریوں سے فارغ ہی نہیں رکھا گیا بلکہ بھرپور انداز میں معاشرے کے دوسرے ارکان کو عورت کی کفالت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ ہمارے دین اسلام میں عورت سے تعلق قائم کرنے کے لئے اُس سے کچھ لینا نہیں ہوتا بلکہ اس کو حق مہر' گھر' لباس اور زندگی کی باقی سہولیات مہیا کرنا اس کا فرض بنایا گیا ہے جو اُس

عورت سے تعلق رکھنا چاہے اور عورت کا یہ سب حاصل کرنا اس کا حق بنایا گیا ہے۔ اس کے باوجود کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ ہمارے معاشرے کی عورت دو وقت کی روٹی کے لئے بھی آدمی کی محتاج ہو کر رہ گئی ہے۔

"بیشک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آیا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز ہی نہ تھا۔"

(الدھر: ۱)

اس آیت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی تہذیب کا باقاعدہ آغاز حضرت ابراہیمؑ کے دور سے ہوا اور یہ سلسلہ نبی پاک ﷺ تک جاری رہا۔ اس دوران اور اس سے پہلے نہ جانے کتنے اور مذاہب اور فرقے بنتے رہے اور مٹتے رہے یہ سلسلہ تو صدیوں سے جاری ہے۔ انسانی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ قدیم مذاہب میں بت پرستی اور ہندوازم سرِ فہرست رہے ہیں۔ قدیم مذہب ہونے کے ناطے ہندوازم کا کئی دوسرے مذاہب پر اثر رہا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوازم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ اسلام کے برعکس کٹر مذہب ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ عورت کو بحیثیت انسان مرد کے برابر حقوق صرف اسلام نے ہی دیئے ہیں۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ ہندو مذہب کٹر ترین بھی ہے اور قدیم ترین بھی جبکہ اس کے برعکس اسلام جدید ترین مذہب بھی ہے اور معتدل رویے پر یقین بھی رکھتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان ہی نہیں بلکہ دوسرے مذاہب یعنی عیسائیت اور بدھ مت بھی ہندوانہ اثرات رکھتے ہیں' پھر یہ ممکن نہ تھا کہ ہندوؤں کے ساتھ رہنے کے باوجود ہمارے معاشرتی اور سماجی حالات پر ہی نہیں بلکہ مذہب تک اس کا اثر نہ ہوتا۔ صرف اثر ہونا تو شاید قابلِ تلافی خطا ہوتی لیکن ہندوازم ہمارے معاشرے کی جڑوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ ہمارے ہاں جہیز' رشتہ ڈھونڈنے کا طریقہ' شادی کی رسومات ہی نہیں بلکہ شادی کے بعد گزاری جانے والی زندگی بھی اس حقیقت کا ثبوت پیش کرتی ہے کہ ہم ایک ایسی قوم بن چکے ہیں جو کہنے کو تو مسلمان ہے لیکن ہمارا طرزِ زندگی مسلمانوں والا نہیں ہے۔ دوسری طرف ہندوؤں کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کس طرح جہیز اور ستّی کی رسم ان کی تہذیب کا ہی نہیں بلکہ مذہب کا حصہ رہی ہے۔ ہندوازم میں چونکہ عورت کا درجہ بہت کم ہے لہٰذا اُس کی شادی کرنے کے لئے لڑکے کے خاندان کو کوئی نہ کوئی ایسا لالچ دینا پڑتا ہے جس کی بدولت اس سے کوئی شادی کرنے پر راضی ہو جائے۔ دولت کی ہوس ایک ایسی چیز ہے جو کبھی پوری نہیں ہو سکتی اس لئے شادی کے بعد بھی وقتاً فوقتاً لڑکے والوں کے منہ میں ہڈی ڈالے رکھنے کے لئے بہت سی رسمیں بنائی گئیں ہیں۔ اس کے باوجود شادی کے بعد چولہے پھٹنے اور سسرال والوں کے ہاتھوں معصوم لڑکیوں کے قتل کی وارداتوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ بالکل یہی صورتِ حال

ہمارے معاشرے کی بھی ہے۔ ہندوازم میں جہیز اور ستّی کی رسم قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہے اور اس کی جڑیں ان کے مذہب اور ان کی معاشی زندگی دونوں میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ایک ہندو تاریخ دان مالاسن کی کتاب Death by fire میں ایسے تمام ثبوت ملتے ہیں جن سے ہندوازم میں جہیز اور ستّی کی رسم کے تمام حقائق کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ شہزادہ چارلس دوم کے زمانے میں ممبئی کا شہر جہیز کے طور پر ایک مہاراجہ کو ملا۔ باوجود اس کے کہ 1829 میں قانوناً ستّی کی رسم پر پابندی لگا دی گئی تھی' پچھلے پچاس سالوں میں انتالیس یا چالیس کیس درج کئے گئے ہیں جن میں یا تو لڑکی کو سسرال والوں نے خاوند کے مرنے پر چِتّا کے ساتھ جلا دیا یا پھر بعض واقعات میں لڑکی نے خود ہی چِتّا میں چھلانگ لگا دی اور دیکھنے والوں نے اسے خوب داد دی۔ تازہ ترین واقعہ ایک ایسی لڑکی کا درج ہے جس کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ شادی کے تیسرے دن خاوند ایک حادثے میں مارا گیا۔ لڑکی شادی سے پہلے لڑکے کو بالکل نہیں جانتی تھی۔ یہ ایک روایتی قسم کی شادی تھی جس میں لڑکی کے والدین خود ہی معاملات طے کر کے لڑکی کو شامل کئے بغیر شادی کر دیتے ہیں۔ ایسی شادی میں لڑکی کا دونوں کے اندر اتنا گہرا تعلق نہیں ہو سکتا کہ اُس نے چِتّا کے ساتھ اپنی جان بھی گنوا دی۔ جب اس کے خاوند کی چِتّا کو آگ لگائی گئی تو لڑکی نے اس میں چھلانگ لگا کر ستّی کی رسم کو نبھایا اور اس طرح اپنے معاشرے میں سرخرو ہوئی۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ جہیز کا آغاز کن عقائد کی بنیاد پر کیا گیا۔ چونکہ عورت کو کم درجہ ہونے کی وجہ سے بوجھ سمجھا جاتا ہے لہٰذا بچی کی پیدائش کے ساتھ ہی یہ بوجھ ماں باپ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ جہیز کا تصور اسی سوچ کے ساتھ جنم لیتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے کہ جب آپ کوئی بے کار چیز گھر سے اٹھوانا چاہتے ہیں تو کسی کو کہتے ہیں کہ یہ چیز لے جاؤ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اُس شے کی حالت اتنی خراب ہو کہ کوئی لینے کو تیار نہ ہو تو آپ اپنے ہاتھ سے کچھ دینے کو بھی راضی ہو جاتے ہیں کہ بس یہ گند کباڑ میرے گھر سے اُٹھا لو اس کے بدلے میں چاہو تو اور بھی کچھ ساتھ لے لو۔ کوئی بالکل ہی بے کار چیز جس کو کسی طرح بھی استعمال کے قابل نہ سمجھا جائے اٹھوانے کے لئے پیسے خرچ کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک ٹوٹا ہوا میز بھی ہو تو کوئی اس لئے لے جائے گا کہ شاید کام آ جائے یا لکڑی ہی جلانے کے لئے استعمال ہو جائے۔ اگر آپ کے گھر میں کوئی بہت پیاری چیز موجود ہو اور آپ سے کوئی مانگ لے تو یقیناً آپ کہیں گے کہ ایسے کیسے دے دوں مجھے گارنٹی چاہیے کہ اس کی حفاظت کی جائے گی' اس کو جیسے میرے گھر میں رکھا گیا ہے اسی طرح رکھا جائے گا' اس کی جو ضروریات ہیں وہ پوری کی جائیں گی یعنی اس کو رکھنے کی جگہ دی

جائے گی۔اس طرح آپ یہ یقین کر لینے کے بعد کہ اُس شے کی قدر ہوگی اور آپ کو اپنے کئے ہوئے فیصلے پر کبھی پچھتانا نہیں پڑے گا' آپ بڑے فخر کے ساتھ اپنی چیز دوسرے کو دیں گے۔یاد رہے کہ یہ ایک چیز کی بات ہو رہی ہے جو ایک میز یا کرسی ہو سکتی ہے یا پھر آپ کی پسند کی کتاب یا گلدان۔کوئی اپنی اولاد دوسروں کے سپرد کرتا ہوا کم تر کیسے ہو جاتا ہے' اس حقیقت کی بنیاد وہی گھٹیا سوچ ہے جو ہمیں ہندوازم سے ملی ہے کہ بیٹی بوجھ بھی ہے اور بے کار بھی۔لہٰذا اُس کو سر سے اتارنے کے لئے جہیز دیا جاتا ہے کہ ساتھ اس کی قدر و قیمت میں کچھ اضافہ ہو جائے اور اس طرح اس کباڑ کو اٹھانے پر کوئی راضی ہو جائے۔ساس' نندوں اور سسرال کے دوسرے رشتے داروں کی ہر خواہش پوری کی جاتی ہے۔سونے کے کڑے پہنائے جاتے ہیں اور قیمتی جوڑے دیے جاتے ہیں اور یہ سب لوگوں کو دکھا کر کیا جاتا ہے تا کہ لوگ اندازہ لگا سکیں گے ہم نے اپنی بیٹی ایسے ہی نہیں دے دی بلکہ اس بوجھ کو لے جانے والوں کی خوب خاطر مدارت بھی کی ہے۔یہ سراسر غیر اسلامی سوچ کا نتیجہ ہے۔ہمارے ملک کے علاوہ نہ ہی یہ طریقہ کار دوسرے اسلامی ملکوں میں اپنایا جاتا ہے اور نہ ہی مغرب کی تہذیب یافتہ قوموں میں۔ہندوازم میں چونکہ جائیداد میں لڑکی کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اس لئے اس رسم کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔اس لحاظ سے بھی ہمارے دین میں عورت کو جائیداد کا حصہ دار بنا کر جہیز دینے کے اس جواز کو بھی ختم کر دیا ہے۔

ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کوئی چیز اگر لی جائے تو مال خرچ کرنا پڑتا ہے اور یہی اسلامی طریقہ ہے کہ جب کوئی شادی کرے تو اسے مال خرچ کرنا چاہیے۔گھر کے نظام میں خاوند کے برتر (superior) یا بلند درجہ ہونے کی وجہ ہی یہ ہے کہ وہ مال خرچ کرتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

" مرد عورتوں پر قوام ہیں اس لئے کہ خدا نے بعض کو بعض پر افضل بنایا ہے اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ " (النساء : ۳۴)

اب صورتِ حال یہ ہے کہ مال خرچ کرے تو لڑکی' گھر بنائے تو اس کے گھر والے جبکہ درجہ بلند آدمی کا ہوتا ہے کیونکہ وہ مرد ہے اور قرآن نے اسے یہ حق دیا ہے۔یہ تو سراسر بے بنیاد شادی کا طریقہ کار ہے اور یہی ہمارے چاروں طرف ہو رہا ہے۔جب ہم قرآن کو سمجھے بغیر اس کی ایک آدھی آیت لے کر زندگی گزارنے کی کوشش کریں گے تو تباہی کے علاوہ ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔جہیز تو صرف اس غلط طریقہ کار کا آغاز ہوتا ہے۔وہاں سے تو لڑکی کے والدین جہیز دینے کی صرف رسم ڈالتے ہیں لیکن اس کے بعد

یہ سلسلہ تا حیات جاری رہتا ہے۔اس کی ایک مثال ایسے بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ سسرال میں کسی کی وفات ہو جائے تو کھانا کئی کئی دن تک بہو کے گھر والوں کے ذمے لگ جاتا ہے اور پورا سسرال خود لوگ اکٹھے کر کے بہو کے والدین کی طرف سے بھیجے گئے کھانے پر کئی دن تک گزارہ کرتا ہے۔اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جس گھر میں مرگ ہو جائے وہاں چولہا جلانا منع ہے۔ان لوگوں سے یہ پوچھنا چاہیے کہ یہ کہاں لکھا ہے کہ ان کے دکھ کا خمیازہ بہو کے والدین کو اس طرح پورا کرنا پڑے گا۔چاہے وہ اس کی استطاعت ہی نہ رکھتے ہوں۔یہ صرف ایک رسم ہے جو اس لئے ڈالی گئی ہے کہ بہو مجبور ہو کر اپنے والدین سے مانگے اور اپنے سسرال والوں کی درخواستیں اور ضروریات پوری کرے۔اسی طرح عیدیں اور شبراتیں سسرال میں بھیجنا بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔لڑکی کے گھر والوں سے لیتے رہنے کے یہ مختلف طریقے ہیں جنھیں ہم نے رسومات کا نام دے دیا ہے۔

شادی کا ایک اور پہلو جو قابلِ غور ہے وہ زیورات کی بھرمار ہے۔تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم عورت کی حیثیت ایک غلام یا کنیز کی تھی۔عورت کا وجود صرف آدمی کی خدمت کرنے اور اس کے حکم کے مطابق زندگی گزارنا تھا۔اس عقیدے کے بڑے واضح اثرات آج بھی ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ہندو مذہب میں آج بھی عورت کو نہ تو دوسری شادی کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی وہ خاوند کے مرنے کے بعد زندگی بھرپور انداز سے گزارنے کی مجاز ہے۔ہندو مذہب میں ستی کی رسم ابھی بھی موجود ہے۔ہمارے معاشرے میں عورت کو زندہ جلایا تو نہیں جاتا لیکن اُس سے یہ اُمید ضرور کی جاتی ہے کہ وہ خاوند کے مرنے کے بعد صرف ایک زندہ لاش کی طرح زندگی گزارے۔یہ وہ حقائق ہیں جن کا پتہ انسانی تاریخ کچھ اس طرح دیتی ہے کہ عورت کو ہتھ کڑیوں اور زنجیروں میں باندھ کر رکھا جاتا تھا اس کا گھر میں وہی مقام تھا جو باقی پالتو جانوروں کا تھا۔کام کے وقت اس کی زنجیریں کھول دی جاتی تھیں اور پھر اسے باندھ دیا جاتا۔جب کسی امیر زادے کو اپنی کوئی کنیز زیادہ پسند آ جاتی تو وہ اس کو ہتھ کڑیاں پاؤں کی زنجیر یا گلے کی زنجیر سونے کی بنوا دیتا تھا۔یہی سونے کی زنجیریں اور ہتھ کڑیاں اچھی کنیز کی پہچان بن گئیں۔یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔آج بھی آدمی کو اپنی بیوی پر پیار آتا ہے تو اس کی وہی تحکمانہ سوچ اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو زیور لے کر دے۔اپنے اردگرد نظر دوڑائیں کتنی ہی عورتیں خود بھاری بھرکم زیور کی خواہش مند ہوتی ہیں اور کتنے فخر سے ان کی نمائش بھی کرتی ہیں۔یہ زیور ان عورتوں کو کیا دے رہا ہے یہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ زیور عورت کی کمزوری بھی ہے اور خواہش بھی تو یقیناً اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ بھاری بھرکم زیور کن عورتوں کی کمزوری بنتا ہے۔زیور عورت کی کمزوری نہیں بلکہ کمزور عورت ہونے کی علامت ضرور ہے۔ایسا زیور خوبصورت کیسے لگ سکتا ہے جس میں عورت گائے بھینس لگنے لگے۔جب وہ چلے تو چھن چھن کی آواز آئے جیسے کوئی بکری یا گائے ہو جس کے گلے میں گھنٹی باندھی گئی ہو کہ اِدھر اُدھر نہ ہو جائے۔مغرب کی عورت بھی تو وہی خواہشات رکھتی ہوگی کیونکہ وہ بحیثیت انسان تو ہمارے ہاں کی عورت جیسی ہی ہے لیکن تعلیم اور تہذیب کے زیرِ اثر جہاں اس نے مرد کی محکوم ہو کر رہنے سے انکار کیا ہے وہاں اپنے طور طریقے بھی بدل ڈالے ہیں۔زیور وہ بھی پہنتی ہیں اور سجنے سنورنے کا شوق بھی رکھتی ہیں۔(یہ بھی حقیقت ہے کہ مغرب کی عورت اب تک صرف یہ جان سکی ہے کہ زندگی کی حقیقت کیا ہے۔اُمید کی جا سکتی ہے کہ علم اور سمجھ بوجھ کے بل بوتے پر وہ بہت جلد یہ بھی جان جائے گی کہ پھر صحیح طریقہ زندگی کیا اختیار کرنا چاہیے۔) ہمارے معاشرے کی عورت علم کے سفر میں بہت پیچھے رہ گئی ہے۔نا جانے ابھی اُسے ان زنجیروں اور ہتھ کڑیوں سے آزاد ہونے میں کتنا وقت درکار ہے۔بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے معاشرے کی نوجوان لڑکیوں میں سجنے سنورنے اور نمائش کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ دیہی علاقوں سے مویشی جب منڈیوں میں فروخت کے لئے لائے جاتے ہیں تو ان کو بڑے اہتمام سے سجایا جاتا ہے۔صحت مند اور سجے بنے مویشی کی بولی بھی زیادہ لگتی ہے۔یہی حال اسلام کے آنے سے پہلے عورتوں اور غلاموں کا تھا۔منڈیوں میں عورتوں اور غلاموں کی بولیاں لگا کرتی تھیں اور زیادہ قیمت لینے کے لئے مالک انھیں سجا کر منڈیوں میں لے کر جایا کرتے تھے۔کچھ یہی صورتِ حال ہمارے ہاں نوجوان لڑکیوں کی ہے۔مائیں خود لڑکیوں کی تربیت اس انداز سے کرتی ہیں کہ انھیں سجا بنا کر محفلوں اور شادیوں میں لے جایا جاتا ہے نہیں تو رشتے نہ ملنے کا ڈر رہتا ہے۔مویشیوں کی منڈیوں میں نیلامی اور لڑکیوں کی شادیوں میں واحد فرق یہ نظر آتا ہے کہ مویشی پال پوس کر مالک جب اُسے نیلام کرتا ہے تو معاوضہ حاصل کرتا ہے جبکہ لڑکیوں کو پڑھا لکھا کر سجا بنا کر اور بے شمار دے دلا کر یہ اُمید کی جاتی ہے کہ بس کوئی انھیں لے جائے۔اگر کسی عورت کو یہ شوق ہے کہ لوگ یہ جان سکیں کہ وہ کتنی اچھی زندگی گزار رہی ہے تو اسے سونے چاندی کے زیور کی نہیں بلکہ علم کے زیور کی نمائش کرنی چاہیے۔ایک مسلمان عورت کا مقام بہت بلند ہونا چاہیے۔آج کے دور میں سونے کے زیور کی کوئی اہمیت

نہیں ہے۔ پرانے زمانے میں سونا مشکل وقت میں کام آنے کے لئے بنایا جاتا تھا۔ اب وقت بدل چکا ہے۔ عورت کو زندگی میں اگر کوئی چیز تحفظ دے سکتی ہے تو وہ صرف اس کا کردار ہے جس میں اس کی سمجھ بوجھ، تعلیم اور اس کا رکھ رکھاؤ سب شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث شریف کے مطابق حضرت فاطمہؓ نے گلے میں سونے کا ہار پہنا ہوا تھا جو انھوں نے حضرت علیؓ سے ضد کر کے مانگا تھا۔ نبی پاک ﷺ نے جب دیکھا تو ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا:

"فاطمہؓ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ لوگ یہ کہیں کہ نبی ﷺ کی بیٹی نے گلے میں سانپ پہنا ہوا ہے۔"

آپ نے غور کیا ہوگا کہ ہمارے معاشرے کی پڑھی لکھی عورتیں جو علم حاصل کر کے فعال اور کامیاب زندگی گزار رہی ہیں بھاری بھرکم زیور کا شوق کم ہی رکھتی ہیں بہ نسبت ان عورتوں کے جو ہمارے دیہاتوں میں رہتی ہیں۔ وہ عورتیں جن کا تعلق شہروں میں رہنے کے باوجود دیہاتوں سے قائم ہے۔ ہمارے معاشرے کے تعلیم یافتہ طبقے نے یقیناً دولت کے اظہار کے لئے زیور سے بہتر طریقے دریافت کر لئے ہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ شادی کی رسومات میں زیور کی بھرمار کو کم سے کم کیا جائے اور وہی دولت خاندانوں کی بہتر بنیاد بنانے کے لئے استعمال کی جائے۔

ہمارا معاشرہ اس دور میں غیر اخلاقی قدروں کے بحران سے گزر رہا ہے اور اس کا سب سے بڑا Platform شادی کا طریقہ کار ہے۔ پچھلے دس سالوں میں یہ تبدیلی دیکھنے میں آئی ہے کہ شادی کے تہوار مسلسل بڑھ رہے ہیں۔ شرم کی بات یہ ہے کہ لوگ ہر غلط کام نہایت فخر سے کرنے لگے ہیں۔ اس سے ہماری ذہنی اور اخلاقی تباہی کا ثبوت ملتا ہے۔ حکومت نے شادی کے کھانوں پر پابندی لگائی تو وہ لوگ جو اس ملک کا کرتا دھرتا ہیں، انھوں نے اپنے آپ کو ان پابندیوں سے بالاتر پایا۔ جسے غلط کام کرنے سے اونچے عہدے پر کام کرنے والے کی سفارش نہیں ملی اس نے اپنے اردگرد کے اثر و رسوخ رکھنے والوں کی مدد سے اپنا کام نکلوا لیا۔ ان حالات کو دیکھ کر تو یوں ہی نظر آتا ہے کہ ہم ایک ایسی ڈھیٹ قوم بن چکے ہیں جس پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا۔

شادی کا جو طریقہ کار مسلمان کو بتایا گیا ہے وہ تو مسجد میں نکاح کا طریقہ ہے جو آج ہمیں مغرب کے چرچ میں نظر آتا ہے۔ جس طرح وہ لوگ اپنے چند قریبی رشتے داروں اور دوستوں کے ساتھ چرچ جا کر شادی کرتے ہیں اور فارغ ہو جاتے ہیں۔ مغرب میں جو چرچ ہمیں نظر آتے ہیں وہ اُس مسجد کی عکاسی

کرتے ہیں جو مسلمانوں کو کمیونٹی سنٹر کے طور پر دیئے گئے تھے۔ ہماری مسجد پر مولوی نے قبضہ کر لیا اور عام لوگوں کا اس میں داخلہ ممنوع ہو گیا لہٰذا کمیونٹی سنٹر کا تصور بھی جاتا رہا۔ باقی تمام چیزوں کی طرح یہ انداز بھی مغرب نے اٹھایا اور اپنا لیا۔ آج ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کمیونٹی سنٹر مغرب کی میراث ہے۔ حالانکہ موجودہ چرچ جس انداز پر بنائے گئے ہیں وہ صرف تین سو سے چار سو سال پرانے ہیں اور یہ سراسر اسلام کا دیا ہوا تحفہ ہے جس کے گرد اُن لوگوں کی زندگی گھومتی ہے۔ شادیاں، میل ملاپ، عبادت اور جنازے جیسی ساری رسومات اِن کمیونٹی سنٹرز میں ہی ادا کی جاتی ہیں۔

مغرب میں چرچ میں شادی کے موقع پر لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اگر کسی کو شادی پر کوئی اعتراض ہے تو وہ ابھی کہہ دے نہیں تو شادی کے بعد کسی قسم کا انکشاف کرنے کی زحمت نہ کرے۔ جبکہ ہمارے ہاں شادی سے پہلے لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو نہ جانتے ہیں نہ ہی سمجھتے ہیں سارے انکشافات بعد میں ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے لڑکے لڑکی کا ایک دوسرے کو شادی سے پہلے جاننا مغربی انداز سمجھا جاتا ہے جبکہ یہ بھی سراسر اسلامی طریقہ ہے۔ صرف یاد یہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر صورت میں اعتدال کو پسند فرمایا ہے۔ مسلمان قوم کی یہ بہت بڑی بدقسمتی رہی ہے کہ جس طرح ہر قیمتی چیز کو لوگ حفاظت سے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں اسی طرح ہمارے مذہب میں بھی ایسے گروہ بن گئے ہیں جنھوں نے اسلام کو اپنی میراث بنا لیا ہے۔ یہ گروہ اسلام کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ عام درجے کی عقل اور سمجھ بوجھ والا انسان تو اسے سمجھ ہی نہیں پاتا اور جو لوگ عمل کرنے کا قصد کرتے ہیں وہ اپنے عمل میں انتہا پر پہنچ جاتے ہیں یوں ایک عام انسان بس دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ ہمارے ہاں کٹر قسم کے مذہبی لوگ جس پہلو پر توجہ دیتے ہیں ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ چونکہ درمیان کی راہ اختیار کرنا بہت سے لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کر سکتا ہے اس طرح ان لوگوں کی اہمیت زیادہ نہیں رہے گی کیونکہ بہت سے لوگ قرآن اور سنت کو سمجھنے اور عمل کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہ لوگ اسلام کو اپنے ہاتھوں میں رکھنے کے لئے اس کو نہایت مشکل ترین طریقہ زندگی بنا کر پیش کرتے ہیں۔ کٹر مذہبی لوگوں کے ایسے رویے کی وجہ سے لوگ مذہب سے دور ہو گئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اعتدال کی راہ کو پسند فرما دیا تو ہمارے پاس عمل کرنے کی بے شمار راہیں ہموار کر دیں۔ یہی اسلام کی روح ہے۔ اسلام کی تعلیمات سے بڑھ کر کوئی تحفہ اس کائنات کو نہیں ملا۔ اسلام ہمیں ایسا طرزِ زندگی بتاتا ہے جس سے کوئی باشعور انسان منہ نہیں موڑ سکتا۔ جبکہ ایسا نظر نہیں آتا اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اعتدال کی راہ اختیار نہیں کی گئی۔

شادی کے موقع پر ایک نیا گھر بن رہا ہوتا ہے، ایک خاندان کی بنیاد پڑتی ہے۔ لڑکے، لڑکی کے رشتے دار اور دوست مل جُل کر ان کا گھر بنانے میں مدد کر سکتے ہیں۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ تحفہ بھی آپ اپنی حیثیت کے مطابق دے سکتے ہیں۔ چاہیں تو اپنی اولاد کو گاڑی دیں یا گھر۔ لیکن خرابی تب پیدا ہوتی ہے جب جہیز کی شکل میں گاڑی داماد کو دے دی جاتی ہے اور بیٹی ساری عمر گاڑی کے لئے تنگ رہتی ہے۔ ایک اور پہلو جو قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ جہیز کی صورت میں لڑکی کو سب کچھ ایک ساتھ دے دیا جاتا ہے۔ حالانکہ تحفے تو ساری زندگی دیئے جا سکتے ہیں۔ کسی کو کیا معلوم کہ لڑکی کو شادی کے بعد کس چیز کی ضرورت ہوگی اور کس کی نہیں۔ جہیز کی صورت میں یہ دیکھے بغیر سب کچھ دے دیا جاتا ہے جن میں سے اکثر چیزیں لڑکی کے کسی کام کی نہیں ہوتیں۔

ایک اور رسم جو شادی کے موقع پر ادا کی جاتی ہے وہ سلامی کی ہے۔ دولہا اور دلہن فقیروں کی طرح ہاتھ پھیلائے بیٹھے ہوتے ہیں اور رشتے دار آ کر انھیں سلامی دیتے ہیں۔ پیسہ صرف ضرورت مند کو دیا جاتا ہے اور وہ بھی جس طرح دینے کا حق ہے وہ طریقہ ہمیں بتایا گیا ہے۔ نبی پاک ﷺ کی حدیث مبارک ہے فرمایا:

"اس طرح دوسرے کی مدد کرو کہ ایک ہاتھ سے دو تو دوسرے ہاتھ کو پتہ نہ چلے۔"

(بخاری، مسلم)

یہاں تو صرف حساب ہی نہیں رکھا بلکہ باقاعدہ لکھا جاتا ہے کہ کس نے کیا دیا۔ پھر اُسی حساب سے وقت آنے پر لوٹایا جاتا ہے۔ اگر ہم دوسروں کی مدد کر رہے ہوں تو مدد کا طریقہ کار تو یہ ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ جتنی آپ کی حیثیت ہو دیا جائے۔ ہمارے معاشرے میں دینے والے کی حیثیت کے مطابق دینے کا رواج نہیں ہے بلکہ جسے دیا جا رہا ہو اس کی حیثیت دیکھی جاتی ہے۔ یعنی غریب رشتے داروں کو لوگ اس لئے کم دیتے ہیں کیونکہ انھیں لوٹانے میں مشکل ہوگی اور امیر رشتے داروں کو دل کھول کر اس لئے دیا جاتا ہے کیونکہ موقع آنے پر وہ بھی دل کھول کر دے سکیں گے اور اس طرح سب کی ناک اونچی رہے گی۔

بحر کیف یہ طے ہے کہ ہمارے معاشرے میں جہیز اور شادی سے متعلق بیشتر رسوم و روایات بالکل بے معنی اور فرسودہ ہیں۔ اس مسئلے کو سلجھانے کے لئے ہمیں اسلام کے دیئے گئے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر زندگی کے اس اہم پہلو کی ازسرِ نو تعمیر کرنا ہوگی۔ تاکہ ہم خاندان کی بنیاد بجائے ان اطوار کے جو کہ قدیم انسان کے تھے جو جاہل تھا، غاروں میں رہتا اور جانوروں کی سی زندگی گزارتا تھا وہ طرزِ زندگی اپنائیں جو

باشعور لوگوں کی زندگی میں بہترین قرار دیا گیا ہے۔یعنی ہمارا دین اسلام جو طرزِ زندگی مہیا کرتا ہے اُس میں ہر انسان کے لئے آسانی پیدا کی گئی ہے۔لہٰذا اگر ہم اچھے بُرے کا شعور رکھتے ہیں تو مسلمان ہونے کے ناطے ہم یقیناً اس نعمتِ خداوندی سے فائدہ بھی اٹھا سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آگے سرخرو بھی ہو سکتے ہیں۔

خالی

حصہ دوئم